اعجاز القرآن

السیدہ شگفتہ خانم ☆

"اعجاز" باب افعال سے مصدر ہے۔ اس کے معنی دوسرے کو عاجز کرنے اور عاجز پانے کے ہیں۔ معجزہ اس کام کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے بوقت تحدّی مخالف کو عاجز کر دیا جائے۔ اس میں تائے مدوّرہ برائے مبالغہ ہے"(۱)

یعنی معجزہ ایسے خارق عادات امر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ دعوت مقابلہ بھی دی گئی ہو اور وہ معارضہ سے سالم بھی رہے۔

معجزہ کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ حسیّ، ۲۔ عقلی

بنی اسرائیل کے اکثر معجزات حسیّ تھے کیونکہ وہ قوم بڑی کند ذہن اور کم فہم تھی، جبکہ امت محمدیؐ کے زیادہ تر معجزات عقلی ہیں۔ جس کا سبب اس امت کے افراد کی ذکاوت اور ان کی عقل کا کمال ہے، اور یہ کہ شریعت محمدی ﷺ چونکہ تاقیامت صفحہ دھر پر باقی رہنے والی شریعت ہے اس لیے اس کو یہ خصوصیت عطا ہوئی کہ اس کے شارع ﷺ کو دائمی عقلی معجزہ سے نوازا گیا تاکہ اہل بصیرت اس کو ہر وقت اور ہر زمانہ میں یکساں طور پر دیکھ سکیں۔ باقی تمام نبیوں کے معجزات ان کے ختم ہونے کے ساتھ ہی مٹ گئے اور ان معجزات کو صرف اسی زمانہ کے لوگوں نے دیکھا۔ جبکہ قرآن مجید رسالت محمدی ﷺ کے اثبات کے لیے قیامت تک کے لیے ایک دائمی و ابدی معجزے کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ لیکچرار، شعبہ عربی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اس معجزے (قرآن) کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ کفار مکہ نے آپؐ کے دیگر معجزات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا، مگر کلام الٰہی کی عدیم النظیر فصاحت و بلاغت کے سامنے انہیں بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا اور قرآن کی بار بار تحدّی کے باوجود وہ تئیس سال تک اس کی نظیر پیش نہ کر سکے۔ جیسا کہ قرآن خود اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس جیسی چیز پیش کرنا محال ہے۔ "فلیاتوا بحدیث مثلہ" (الطور : ۳۴)۔

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے قرآن کے اعجاز پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے کہ "قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوع انسانی کے افکار ، اخلاق، تہذیب، اور طرز زندگی پر اتنی وسعت ، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے، پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا، اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا، کوئی دوسری کتاب نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ پھر یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے۔ ۱۴ سو برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے، اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے جا رہے ہیں" (۲)۔

مولانا کی اس شرح سے قرآن مجید کی وہ آفاقیت ظاہر ہوتی ہے جو آج تک کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔

قرآن مجید کا معجزہ عقل و ادراک کے ذریعہ مشاہدہ میں آتا ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت اور اس سے پہلے عرب فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار تھے، انہیں ایسی طلاقت لسانی حاصل تھی جس سے دوسرے خطوں کے لوگ بے بہرہ تھے، برجستہ خطابت اور فی البدیہہ شعر گوئی کا انہیں ایسا ملکہ حاصل تھا کہ انسان پر حیرت و استعجاب کا عالم طاری ہو جاتا، چمکتی ہوئی تلواروں اور ٹکراتے ہوئے نیزوں کے درمیان رجزیہ اشعار پڑھا کرتے تھے، مدح کرنے پر آتے تو زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے، مذمت کرنے پر آتے تو تحت الثریٰ تک پہنچا دیتے۔ زبان آوری کی بدولت بزدل کو جری بنا

دینا، بخیل کو سخاوت کی طرف مائل کر دینا ان کے لیے معمولی کام تھا، اور اس قدر قادر الکلامی ہے کہ وہ تمام جہان کو اپنے سامنے عجم یعنی گونگا سمجھتے اور اپنے مقابلہ میں سب کو ہیچ جانتے، چند جملوں میں جذبات کو برانگیختہ کر دیتے، جب بولتے تو رعد کی طرح گرجتے، بجلی کی طرح کڑکتے اور بارش کی طرح برستے، غرض ان کا بدوی پرشوکت الفاظ کا دھنی اور ان کاشہری کمال بلاغت پر فائز تھا، ان شعلہ بیان مقرروں کو اگر کسی نے ششدر کیا تو وہ ذات رسالت مآب ﷺ تھی جس نے ذات باری تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب عظیم کے ذریعہ ان فصحائے عرب کو چیلنج کیا۔ ایسی کتاب کے ذریعہ جس کی آیات محکم اور کلمات متصل ہیں، جس کی فصاحت و بلاغت ان کی ہر گفتار پر غالب آئی، جس کے ایجازواعجاز نے نامور بلغائے عرب کو گنگ کر دیا، جس کے دامن میں حقیقت و مجاز کے شاہکار ہیں، جس کی سورتوں کے فواتح اور خواتم کے محاسن کی مثیل پیش نہیں کی جا سکتی، جس کا حسن نظم ایجاز کے باوجود نہایت معتدل رہا، جس کے منتخب الفاظ فوائد کی کثرت کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ یعنی قرآن کا اعجاز اس کا وہ اسلوب ہے جو کلام عرب کے اسلوب سے یکسر مختلف ہے۔ " قرآن نے نظم و نثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اور دلآویز اسلوب اختیار کیا جو بلغائے عرب کے تخیل میں بھی نہ تھا۔ قرآن کے مطالع، مقاطع اور فواصل (آیت کے آخری لفظ کو فاصلہ کہتے ہیں اور فواصل اس کی جمع ہے)، یعنی قرآن مجید جس طرح کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمہ کرتا ہے اور جس طرح ایک ایک آیت کو جدا کرتا ہے، وہ حد اعجاز میں داخل ہے"(۳)۔

غرض اس کتاب حکیم کے اعجاز کا پس منظر یہی ہے کہ اس کے اسلوب اور اس میں موجود تہذیب اخلاق، طریق تمدن و معاشرت، اصول حکومت و سیاست، ترقی روحانیت، تحصیل معرفت ربانی، تزکیہ نفوس، تنویر قلوب، غرضیکہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیت خلائق کے تمام فوائد و سامان یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے بڑی بلند آہنگی سے سارے جہاں کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، اور خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے، اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز ہے اور ہمیشہ

رہے گی۔

اور جو ہادی برحق یہ کتاب مبین لایا وہ ایک ایسی قوم میں پیدا ہوا تھا جو زبان آور تو بے حساب تھی مگر انتہائی جاہل اور ان پڑھ تھی جس کا درس و تدریس سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا، اور جب آپؐ نے یہ قرآن اس قوم کے سامنے پیش کیا تو اس کو منزل من اللہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ یہ شخص خود یہ کلام پیش کرتا ہے حالانکہ آپؐ امی تھے پڑھنا لکھنا ہرگز نہ جانتے تھے کسی استاد سے تعلیم حاصل نہ کی تھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل"(۷۔۱۵۷) (یعنی جو ہمارے رسول نبی امی محمد ﷺ کی پیروی کرتے ہیں، جن کی (بشارت) کو اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں)۔ یہاں نہ صرف قرآن نے آپؐ کے امی ہونے کا اشارہ کیا بلکہ امی کا وصف آپ کے لیے بمنزلہ ایک ممتاز لقب کے استعمال فرمایا۔

آپؐ باوجود عرب کے نہایت معزز و ممتاز خاندان میں سے ہونے کے اس فن شاعری سے بھی ناآشنا رہے جس میں اس سرزمین کا چپہ چپہ ماہر تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے " وما علمنه الشعر وما ینبغی له" (۳۶ :یٰسٓ :۶۹) یعنی اور ہم نے ان (محمدؐ) کو شاعری نہیں سکھائی اور شاعری ان کے شایان شان بھی نہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں " پھر لائے تو پورے چالیس سال کے بعد ایسا کلام لائے (جو نہ قصیدہ ہے نہ غزل نہ مرثیہ)، کہ دنیا کے فصحاء اور بلغاء نے اس امی کی لائی ہوئی کتاب کے سامنے سپر ڈال دی، بڑے بڑے شاعر ایسے بہک گئے کہ جس آدمی نے مدۃ العمر ایک شعر نہیں کہا تھا محض کلام سن کر اسے شاعر کہنے لگے اور اس کا خارق عادت ہونا دیکھ کر اسے سحر سے تعبیر کیا"۔ علامہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ " وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد ﷺ نے ایک دن بھی کسی معلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا مگر کہنے لگے کہ " انما یعلمه بشر " یعنی کوئی آدمی ان کو سکھا جاتا ہے"[۴]۔اور حقیقت حال کا علم ہونے کے باوجود محض ذاتی عناد کی بناء پر قرآن کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار کر

رہے تھے کہ ہو نہ ہو کوئی شخص محمدؐ کو آکر یہ کلام پڑھا جاتا ہے۔ ان کو یہ بات سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ واقعی یہ کلام آپؐ کو کسی اور نے ہی پڑھایا ہے مگر وہ پڑھانے والا کوئی بشر نہیں بلکہ خود ذات باری تعالیٰ ہے، فرمان الٰہی ہے" وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحی یّوحی" (النجم: ۳،۴) یعنی یہ قرآن جو پڑھ کر سناتے ہیں وحی (آسمانی) ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔

قرآن مجید کا چیلنج

جس وقت نبی ﷺ اس کتاب (قرآن) کو عربوں کے پاس لے کر آئے وہ ایسا وقت تھا کہ اہل عرب ان پڑھ ہونے کے باوجود فصیحوں کے سر تاج اور شعلہ بیان مقرروں کے پیشوا تھے، قرآن نے ان سے تحدّی کی اور کہا کہ میرا مثل پیش کرو، اور بہت برسوں تک انہیں مہلت بھی دے رکھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔" فلیأتوا بحدیث مثله ان کانوا صدقین" یعنی ان کو اس جیسا اسلوب پیش کرنا چاہئے اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں۔

مگر عرب کے فصحاء سے یہ مقابلہ ہرگز نہ ہو سکا اور وہ اس کا مثل لانے سے عاجز رہے۔ اور جب مخالفین نے قرآن مجید کی اثر انگیزی سے لوگوں کو متاثر ہوتے پایا تو انہوں نے آنحضور ﷺ پر یہ اتہام باندھ دیا کہ آپ از خود قرآن مجید وضع کرتے ہیں تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔" ام یقولون افتراہ قل فأتوا بعشرسور مثله مفتریات" (۱۱:ہود:۱۳) یعنی کیا وہ کہتے ہیں اس نے اس (قرآن) کو خود بنا لیا ہے تو کہہ دیجئے کہ تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ۔ یعنی اگر انسان ایسا کلام بنا سکتا ہے تو اس کے مثل بنانا تمہارے مقدور سے باہر نہ ہوگا تم بھی عرب ہو فصیح و بلیغ ہو کوشش کر دیکھو، اور جب وہ اس چیلنج کے جواب میں دس سورتیں بنانے سے قاصر رہے تو فرمایا" وان کنتم فی ریب مما نزّلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثله" (البقرہ:۲۳) یعنی اگر تم اس کتاب کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ اور جب اس مکرر تحدّی کے باوجود مشرکین عرب سے کچھ بن نہ آیا اور وہ

قرآن جیسی ایک سورت بھی بنا کر پیش کرنے سے عاجز رہ گئے اور ان کے خطباء اور بلغاء کی کثرت بھی ان کے کچھ کام نہ آئی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ مشرکین عرب عاجز ہوگئے اور قرآن کا معجزہ ہونا پایہ ثبوت کو پہنچ گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا: " قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً" (بنی اسرائیل :۸۸) یعنی کہہ دیجئے کہ اگر جن و انس بھی قرآن کی مثل لانے پر متفق ہو جائیں تو وہ اس جیسی نہیں لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں"۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اہل عرب جو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور چیلنج بھی ان کے سامنے کس زور کا تھا کہ " فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکفرین" (البقرۃ:۲۴) یعنی اس پر بھی اگر تم ایسا نہ کر سکو اور (ہمارا دعویٰ ہے) کہ ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو منکروں کے لیے تیار کی گئی ہے"۔ اور کتنے بھاری نفع و نقصان کا سودا تھا تو اگر قرآن کا معارضہ ان کے بس میں ہوتا تو وہ یقیناً اسے پیش کر دیتے اور قرآن کی تحدّی قبول کر کے اس کا جھگڑا ہی مٹا دیتے لیکن یہ بات تاریخ میں نہیں ملتی کہ مشرکین عرب میں سے کسی کے دل میں قرآن کے معارضہ کا خیال تک آیا ہو یا کسی نے اس کا ارادہ بھی کیا ہو بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ جب ان کی کوئی حجت کام نہ آسکی تو دشمنی اور رکیک حرکتوں پر اتر آئے، کبھی دست و گریباں ہو جاتے، اور کبھی تمسخر اڑانے اور بے جا مذاق کرنے لگتے، قرآن کو جادو، شعر اور اساطیر الاوّلین کے مختلف ناموں سے موسوم کر کے اپنے عجز کا پکا ثبوت دے دیا اور اس سراسیمگی کے عالم میں جو بات زبان پر آئی کہہ گذرے، اور جب اس طرح بھی مطمئن نہ ہوئے تو غیض و غضب سے بے تاب ہو کر جنگ و جدل اور معرکہ آرائی شروع کر دی، تلوار کو حکم بنانے پر تل گئے، جانیں گنوائیں، خون کی ندیاں بہائیں، عزیزوں کے سر کٹوائے، عورتوں اور جوانوں کو جنگی قیدی بنوایا، مال و متاع برباد کیا تاکہ کسی نہ کسی طرح حامل قرآن ﷺ کو مغلوب کر لیں حالانکہ دوسری طرف سے

نہایت آسان طریقہ مغلوب بلکہ کلیۃً معدوم کرنے کا بتایا گیا کہ صرف تین آیات کے برابر ایک چھوٹی سی سورت اسی شان کی لے آؤ جس شان میں قرآن تمہارے سامنے ہے تو ہم خود اس تحریک کو ختم کر دیں گے جس کے تم درپے ہو۔

مگر اپنی تمام تر فصاحت و بلاغت کے باوجود ان کی زبانیں گنگ ہوگئیں، دماغ مفلوج ہوگئے، جوارح معطل ہوگئے لیکن اس آسان اور سہل ترین مگر فیصلہ کن مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور اگر ان اہل عرب جو بڑے غیرت مند اور نہایت باحمیت تھے، قرآن کا مثل پیش کرنا ان کے بس میں ہوتا تو وہ کیوں اتنی ذلتیں اور تباہیاں گوارا کرتے اور ایک آسان امر کے مقابلہ میں دشوار امر کو کیوں پسند کرتے۔ غرض ان کا عجز نمایاں ہوگیا اور محض ایک سورت یا چند آیتوں سے جو دلیل ٹوٹ سکتی تھی وہ اسے توڑنے میں ۲۳ سال تک بھی ناکام رہے اور رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا ثابت نہ کر سکے۔ اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن ہمارے نبی امّی کا وہ معجزہ ہے جس نے آخر کار ان جاہل اور وحشی عربوں میں اخلاقی و روحانی انقلاب برپا کر دیا۔ ان کو تہذیب و انسانیت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیا۔ ان کو ایک متحدہ سلطنت ، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت عطا کی اور قرآن کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنا دیا حتیٰ کہ مخالفین بھی قرآن کی اس آفاقیت کے معترف ہوئے۔ "ابن عباس سے روایت ہے کہ ولید بن مغیرہ کے سامنے حضور ﷺ نے قرآن کی تلاوت کی تو وہ اس کو سن کر ہکا بکا رہ گیا اور اس کا دل نرم ہوگیا، ابوجہل کو معلوم ہوا تو اس نے اس پر اعتراض کیا تو ولید نے جواب دیا، خدا کی قسم! تم لوگوں میں سے کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر شعر، رجز اور قصیدہ کا جاننے والا نہیں مگر واللہ جو بات وہ کہتا ہے ان میں سے کسی چیز کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی اور واللہ محمد ﷺ کے قول میں جس کو وہ پیش کرتے ہیں شرینی اور لطافت ہے، اس کلام کا بالائی حصہ ثمردار ہے تو اس کا زیریں حصہ شکربار، یہ انسان کا کلام نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کلام ضرور بالاتر ہوگا اور اس پر کسی کو بلندی حاصل نہ ہوگی اور یہ بھی یقینی ہے کہ وہ اپنے سے کم تر درجہ کی چیزوں کو پامال کر ڈالے گا" (۵)۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی وہ کون سی خصوصیت تھی جس نے اہل عرب کو اس کی نظیر لانے سے قاصر کر دیا؟ کیا وہ قرآن مجید کے صحیح، عمدہ اور خوبصورت مضامین تھے یا محض الفاظ؟ اگر الفاظ تھے تو ان الفاظ کی وہ کون سی خصوصیت تھی جس کی وہ مثال نہ لا سکے؟۔

ان تمام سوالات کو جاننے کے لیے وجوہ اعجاز القرآن جاننا ضروری ہے، جن کا احاطہ کرنا بہر حال استطاعت بشری سے خارج ہے۔ ذیل میں چند پہلوؤں پر علماء کی آراء کی روشنی میں مختصر بحث کی جاتی ہے۔

۱۔ فصاحت و بلاغت

قرآن مجید کے مخالفین نے اس کی شستگی الفاظ، ان کی ترتیب، بیان کی خصوصیت، آیات کا غیر معمولی آغاز اور اختتام، الفاظ کی روانی، واقعات کا بیان، اسلوب نصیحت، یاددہانیوں اور دلائل کو خوب دیکھا اور اس کی ایک ایک سورت اور ایک ایک آیت پر غور کیا مگر ایک لفظ بلکہ ایک نقطہ بھی ایسا نہ پایا جو اپنی جگہ پر غیر موزوں ہو یا جس پر اعتراض کیا جا سکتا ہو اور اس میں ترمیم کی جا سکتی ہو۔ انہی خصوصیات کی بناء پر کسی ماہر لسان کو بھی اس کی مثال لانے کی جرأت نہ ہوئی۔

السیوطی نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے حوالے سے لکھا ہے کہ " قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اس میں فصاحت و بلاغت اس کے ہر موقع اور ہر محل پر یکساں طور پر پائی جاتی ہے، اس طرح کہ اس میں انقطاع نہیں، خلاف ازیں کسی دوسرے شخص کے کلام یا تصنیف میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ از ابتداء تا انتہاء اس میں فصاحت و بلاغت ہر جگہ یکساں طور پر موجود ہو"[۶]۔

سیّد قطب شہید اعجاز القرآن کے حوالے سے "ذالك الكتاب لاريب فيه"(۲:البقرہ:۲) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "کہ شک و شبہ کہاں اور کیسے ہوگا۔ قرآن کی حقانیت تو کلام کے آغاز ہی میں مضمر ہے یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ ان جیسے

حروف سے جو ان کے مابین متداول اور ان کی زبان میں معروف ہیں وہ اس جیسی کتاب کی تصنیف سے عاجز ہیں"(۷)۔

۲۔ ندرت اسلوب بیان

ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " اللہ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ویسی ہی ہے جیسی خود اللہ تعالی کی اپنی مخلوق پر ہے" اور انسانی کلام خواہ کتنا بھی افضل ہو اللہ کے اس کلام کے مقابلے میں فروتر ہی ہوگا" (ترمذی ، دارمی، بیہقی)۔

قرآن پاک کی یہی فضیلت ہر دور اور عہد میں بے نظیر رہی ہے اور قرآن پاک کی حیرت انگیز عبارت اور اس کا غیر معمولی طرز بیان، مختلف مضامین سے متعلق ہونے کے باوجود عربوں کے اس وقت مروجہ طرز بیان سے منفرد تھا۔ ان کے طرز بیان میں صرف دو چیزیں نثر اور نظم تھیں، نثر کی دو قسمیں مسجع اور غیر مسجع، اور نظم کی بہت سی قسمیں تھیں۔ شاعری بلند پایہ فن تھا جبکہ نثر ہر ایک کے بس میں تھی۔ قرآن مجید ان میں سے کسی قسم کی نثر یا نظم سے مشابہت نہیں رکھتا۔ بلکہ قرآن مجید نے ان سب طریقوں سے جدا اور خارج از عادت ایک ایسا نیا اور اچھوتا اسلوب بیان پیش کیا جو اہل عرب کے بس سے باہر تھا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا فیروز الدین کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ " پھر ایک دلیل قرآن شریف کے کلام ربانی ہونے کی وہ لاثانی بندش اور بے نظیر روانی ہے جس پر آج تک ایک دنیا شیدا ہے۔ کوئی عربی عبارت پڑھو اس کی بندش اور روانی معمولی قسم کی ہوگی، لیکن قرآن شریف کی روانی اور سلاست اس قسم کی ہے کہ جو لوگ معنی نہیں جانتے وہ بھی اس کی روانی اور سلاست دیکھ کر شیفتہ و حیران ہیں"(۸)۔

یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کا انداز بیان دیگر فصحاء و بلغاء کے طریق بیان سے بالکل مختلف اور نرالا ہے۔ آیات کے مقاطع و فواصل بالکل نئی قسم کے ہیں جو نہ تو قرآن مجید سے پہلے کسی کلام میں موجود تھے اور نہ بعد ہی کے کسی کلام میں ملتے ہیں، کوئی

شخص اوّل سے آخر تک اس اسلوب کو نباہ نہیں سکتا بلکہ فصحاء کی عبارتوں میں جہاں وہ مختلف جملوں اور خیالات کو آپس میں ملاتے اور جدا کرتے ہیں ایک نمایاں بے ضابطگی پائی جاتی ہے لیکن قرآن مجید میں اس قسم کی کوئی کوتاہی نہیں بلکہ اس کے ہر قسم کے بیانات میں مناسبت اور ربط ہے جو اس کے اسلوب کے حسن میں اضافہ کرتا ہے، اسی نادر اسلوب کو دیکھ کر عرب کے فصحاء دنگ رہ گئے تھے۔

مصطفیٰ صادق رافعی قرآن کے نظم و ضبط کے بارے میں لکھتے ہیں: " قرآن کریم سب کا سب زور کلام اور ندرت بیان میں اپنی مثال آپ ہے، اس کی بڑی وجہ قرآن کریم کی روح ترکیب ہے، جس پر کلام الٰہی کا دارومدار ہے۔ قرآن کے سوا یہ روح عربی زبان میں اور کہیں نہیں پائی جاتی، اسی روح کے بل بوتے پر قرآن بشری استطاعت سے خارج ہے۔ اگر اس میں وہ روح نہ ہوتی تو اس کے اجزاء میں تفاوت و تباین نظر آنے لگتا اسی روح نے اس کے اجزاء کو باہم مربوط و متصل بنا دیا ہے" (۹)۔

" معتزلی علماء کے نزدیک قرآن مجید کا نظم کلام معجزہ ہے جس نے تمام بلغاء عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ کر دیں"(۱۰)

آیات قرآنی کی ساخت سے تین خصوصیات ظاہر ہوتی ہیں:

۱۔ الفاظ کا اس طریقہ سے استعمال کہ وہ مؤثر ہوں۔

۲۔ وہ معنی جو ان الفاظ کے ساتھ قائم ہوں اور جن کے سمجھنے کا دارومدار آیت کے اختتام پر نہ ہو بلکہ ابتداء ہی سے واضح ہوں۔

۳۔ آیات کی ساخت کا حسن اور غیر موزوں بندش کا عدم وجود اور ان میں مشابہت۔

یہ تینوں خصوصیات قرآن مجید میں نہایت اعلیٰ اور عمدہ حالت میں نظر آتی ہیں یہاں تک کہ قرآن مجید کے الفاظ سے بڑھ کر فصیح، زور دار اور شیریں تر الفاظ مل ہی نہ سکیں گے اور اس کی ترتیب رکھنے والی آیات اور تلاوت میں بہتر اور تشاکل میں ہمسر نظم و نثر کا وجود ہی نہیں۔

رافعی لکھتے ہیں: " الفاظ کی بندش ، جملوں کی برجستگی ، ترکیب کی چستی، عالمانہ انداز بیان، کوثر و تسنیم میں دھلے ہوئے جملے، موقع و محل کے مطابق زور بیان، یہ ایسی چیز تھی جس نے عربوں کو مبہوت و ششدر کر دیا یہاں تک کہ عرب اپنی اس فطری زبان آوری کو جسے وہ بہت قوی سمجھتے تھے ضعیف سمجھنے پر مجبور ہوگئے اور کلام و خطابت کے اپنے مستحکم ملکے کو قرآنی اسلوب کے سامنے پست باور کرنے لگے۔ ان بلغاء کو اعتراف کرنا پڑا کہ اسلوب قرآنی زبان و بیان کی وہ جنس گراں مایہ ہے جس تک ان کی پرواز نہیں ہو سکی اور نہ ہو سکتی ہے" (۱۱)۔

قرآن کے اس نادر اسلوب کو علامہ باقلانی اپنے الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ " اشعار میں جو صنائع و بدائع پائے جاتے ہیں ان کو اعجاز قرآن کے ساتھ کچھ نسبت نہیں، اس لیے کہ وہ صنائع خارق عادت نہیں بلکہ پڑھنے پڑھانے اور محنت کرنے کے ساتھ ان کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً شعر گوئی اور خطابت و بلاغت میں مہارت وغیرہ ، مگر قرآنی نظم و تالیف کی تقلید ممکن نہیں، نہ قصداً اس کا کوئی امکان ہے اور نہ اتفاقاً "(۱۲)۔

علامہ صاحب کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کسی شخص کو فصیح و بلیغ نہیں بناتا خواہ اس کا کتنا ہی مطالعہ کیا جائے، اور یہی اس کا اعجاز ہے جو اس کو دوسری بلاغت کی کتابوں سے ممتاز رکھتا ہے۔

شیخ عبدالقاهر الجرجانی اسلوب قرآن کے سچے ذوق آشنا اور علم بلاغت کے بانی ہیں وہ لکھتے ہیں" جب عربوں کو یہ چیلنج دیا گیا کہ وہ قرآن کی مثل بنا کر لائیں، اس وقت ان کو قرآن کی وہ مخصوص خوبیاں جو اپنی عبارتوں میں وہ پیدا نہیں کر سکتے تھے، ضرور معلوم ہوں گی کیونکہ یہ بات مہمل ہے کہ کوئی شخص اپنے فعل کے کسی خاص پہلو کی طرف اشارہ کیے بغیر دوسرے آدمی سے یہ کہے کہ تم میری طرح اس کام کو نہیں کر سکتے۔ قرآن کی یہ خاص خوبی محض اس کے الفاظ ، حروف، اعراب اور اس کے مسجع جملوں ہی میں مخصوص نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ تو عربوں کے نزدیک کوئی مشکل بات نہ تھی اس لیے قرآن مجید کی وہ خاص خوبی ترتیب اور نظم الفاظ میں ہی ہے جو ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو نزول قرآن

سے پہلے نامعلوم تھے۔

یہاں انہوں نے اپنے بیان کی تائید میں "اشتعل الرأس شیباً" کی تشریح کی ہے، جس کا مطلب ہے " سر ضعیف العمری سے چمک نکلا" کہ تاوقتیکہ کلمہ " راس" کو معرف باللام نہ کیا جائے اور اس کو " اشتعل " کا فاعل قرار نہ دیا جائے اور دونوں کلموں کے ساتھ " شیباً" کو حالت نصبی میں بصورت نکرہ اضافہ نہ کیا جائے تو اس عبارت کا حسن جاتا رہتا ہے" (۱۳)۔

الغرض قرآنی اسلوب کا ہر پہلو بجائے خود ایک معجزہ ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں کسی بلیغ شخص نے اسے سنا فوراً وہ اس کے اور اس کے ماسوا کلام کے درمیان امتیاز اور فرق محسوس کر لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے " وانّه لکتب عزیز لایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه " (حم السجدہ :۴۲) یعنی یہ کتاب عزیز ہے باطل نہ سامنے سے اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ پیچھے سے حملہ آور ہو کر اسے شکست دے سکتا ہے"۔ یہ فرما کر متنبہ فرما دیا کہ قرآن کی تالیف و ترتیب ہرگز اس طرح پر نہیں ہوئی ہے جس طرح پر انسان اپنے کلام کی ترتیب کرتا ہے لہذا اس میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش ہے ہی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کے معجزہ ہونے کی ایک وجہ اس کا فصیح ترین الفاظ اور ترتیب و تالیف کے ایسے بہتر طریقہ پر ہونا ہے جو کہ صحیح ترین معانی کا متضمن ہے اور بڑی خوبی یہ کہ ہر چیز اپنے موقع و محل میں مناسب تر ہے، ایک چیز دوسری چیز سے بہتر اور برتر نظر نہیں آتی اور عقل اس چیز سے بڑھ کر مناسب امور معلوم نہیں کر سکتی۔

۳۔ پیشین گوئیاں

عہد حاضر میں علوم جدیدہ نے بے حد ترقی کی منازل طے کر لی ہیں مگر آئندہ کے واقعات کے متعلق ٹھیک ٹھیک خبر دینا کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے جبکہ قرآن مجید کے ذریعہ مستقبل کے بارے میں جو پیشین گوئیاں کی گئیں، جن کا ذکر قرآن میں جابجا موجود ہے، وہ ٹھیک اپنے اپنے وقت پر اسی طرح وقوع پذیر ہوئیں جس طرح قرآن مجید

نے خبر دی تھی حتیٰ کہ مخالفین کو بھی ان کی صحت کا اعتراف کرنا پڑا۔ قرآن مجید میں اس قدر پیشین گوئیاں ہیں کہ کسی دوسری آسمانی کتاب میں اس کی نظیر نہیں ملتی اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرے گا کہ اس میں کوئی قرآنی پیش گوئی ظاہر ہو کر اس قرآنی دعوے کی صحت پر دلالت نہ کرے کہ "قرآن مجید کا معجزہ روز قیامت تک کے لیے ہے۔

دین اسلام کے غلبہ کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا" ھو الّذی ارسل رسوله بالھدی و دین الحق لیظھره علی الدین کلّه" (التوبۃ: ۳۳)۔ یعنی اللہ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے"۔ اور یہ دعوہ خداوندی چند سال بعد ہی حرف بحرف پورا ہوگیا اور فتح مکہ میں مسلمانوں کے غلبہ کے بعد اہل اسلام صرف پچاس سال کے عرصہ میں مشرق سے مغرب تک پہنچ گئے۔

اسی طرح معرکہ بدر کے موقع پر جبکہ تین سو تیرہ نہتے مسلمان مجاہد ایک ہزار مسلح دشمنوں کے مقابلے میں کھڑے تھے اور حالات بظاہر قریش مکہ کے موافق تھے تو اس موقع پر ارشاد باری تعالیٰ ہوا " وأن یعدکم الله احدی الطائفتین انها لکم" (الانفال: ۷) یعنی جب اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتے تھے کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آ جائے گی۔ یہ وعدہ خداوندی بھی پورا ہوا، اور بے سروسامان مسلمانوں نے اہل مکہ کے تجارتی قافلے اور کفار مکہ کے مسلح لشکر میں سے ایک طائفہ یعنی مسلح مکی لشکر کو مغلوب کر لیا۔

روم اور فارس کی باہمی جنگوں میں فارس کا پلہ بھاری تھا اور روم والے مسلسل شکست کھا رہے تھے، عین اس موقع پر اہل روم کے غلبہ کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ " وهم من بعد غلبهم سیغلبون۔ فی بضع سنین" (الروم: ۲،۳) یعنی رومی مغلوب ہونے کے چند ہی سال میں ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ اور یہ پیشین گوئی چند سال بعد ہی رومی غلبہ کی صورت میں پوری ہوگئی۔

آنحضرت ﷺ کو دشمنوں کی طرف سے خطرہ رہتا تھا اور صحابہ کرام کو آپ کی حفاظت کا بندوبست کرنا پڑتا تھا، عین اس حالت میں یہ آیت نازل ہوئی " والله یعصمك من

الناس" (المائدہ :٦٧) یعنی اور اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حفاظت کے تمام ذرائع موقوف کر دیئے اور فرمایا خدا مجھ کو کبھی دشمنوں کے بس میں نہیں ڈالے گا"(۱۴)۔

اسی طرح کی اور بے شمار پیشین گوئیاں قرآن میں مذکور ہیں جو ہر زمانے میں ظاہر ہوئیں، اب تک ہو رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔

۴۔ سابقہ امتوں کے حالات

آنحضور ﷺ قدیم صحیفوں سے ناواقف تھے، آپؐ کو ان لوگوں سے ملنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا جن کو ان صحیفوں کا علم تھا جبکہ قرآن مجید پچھلی اقوام کے قصے تفصیلاً بیان کرتا ہے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کر کے اپنے آپ کو مورد عذاب الٰہی ٹھہرایا، اہل کتاب اکثر آپؐ سے امتحاناً بعض قصص کی صحت کے بارے میں سوال کرتے تھے اور آپؐ سے تسلی بخش جواب پاتے تھے۔ لہذا آدمؑ و حواؑ کا قصہ، ان کا جنت میں قیام اور پھر وہاں سے نکلنا، طوفان نوح، قصہ اصحاب کہف، قصہ یوسفؑ، قصہ ذوالقرنین، قصہ لقمان، قصہ موسیٰؑ و خضر (جو ان کے سوال پر نازل ہوئے) اس کی بہترین مثال ہیں۔

معجزہ یہ ہے کہ ان سب امور کی تفصیل ایسے شخص کی زبان مبارکہ سے صادر ہوئی جس نے ایک ان پڑھ سوسائٹی میں پرورش پائی اور ایک دن بھی کسی معلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "تلك من انباء الغيب نوحيها اليك ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا" (ھود :۴۹) یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو وحی کے ذریعے ہم آپ کو بتا رہے ہیں، اس سے پہلے نہ تو آپؐ ان سے آگاہ تھے اور نہ آپؐ کی قوم۔(۱۵)

۵۔ بقاء و ثبات

پہلے انبیاء علیہم السلام کو جتنے معجزات عطا ہوئے وہ سب فانی تھے، مگر حضور ﷺ کو اس قسم کے معجزات کے علاوہ قرآن مجید ایک ایسا معجزہ عطا ہوا جو ابدآباد تک

باقی رہنے والا ہے، اور جس طرح قرآن مجید کی ہر ادا انوکھی اور ہر شان نرالی ہے۔ ضروری تھا کہ اس کی حفاظت بھی بالکل انوکھے طریقہ اور نئے رنگ ڈھنگ سے کی جائے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "انّا نحن نزّلنا الذکر وانّا له لحفظون"(الحجر: ۹) یعنی ہم نے آپؐ پر یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس قرآن کے اتارنے والے بھی ہم ہیں اور اس کی ہر قسم کی حفاظت بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے، یہ وعدہ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز ذرائع سے پورا ہو کر رہا کہ جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب اور مغرور مخالفوں کے سر بھی نیچے ہو گئے۔ جس شان سے وہ نازل ہوا، بغیر ایک شوشے یا زیر زبر کی تبدیلی کے قیامت تک ہر قسم کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ رہے گا۔ زمانے کے تغیر و تبدیل کا اس پر نہ کوئی اثر پڑا ہے، نہ پڑے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام غیر مبدل ہی رہیں گے، زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم حکمت کتنی ہی ترقی کر لے مگر قرآن کے صوری و معنوی اعجاز میں اصلاً ضعف و انحطاط ہرگز محسوس نہ ہو سکے گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں علماء کی کثیر تعداد نے قرآن کے علوم و مطالب اور غیر منتہی عجائب کی حفاظت کی، کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، حافظوں نے اس کے الفاظ و عبارت کی وہ حفاظت کی کہ وقت نزول سے لے کر آج تک ایک زیر زبر کی تبدیلی نہ ہو سکی، کسی نے قرآن کے رکوع گنے، کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی، حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک نقطے کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت بھی ایسی نہیں بتائی جا سکتی جس میں ہزاروں لاکھوں حفاظ قرآن موجود نہ رہے ہوں۔

غور کا مقام ہے کہ آٹھ دس سال کا بچہ جسے اپنی مادری زبان میں چھوٹا سا رسالہ یاد کرانا دشوار ہوتا ہے وہ ایک غیر مادری زبان کی ضخیم کتاب جو مشکلات سے پر ہے کس طرح فر فر سنا دیتا ہے۔ کسی مجلس میں ایک بڑے عالم و حافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے تو ایک بچہ بھی اس کو ٹوک سکتا ہے، چاروں طرف سے

تصحیح کرنے والے بول اٹھتے ہیں، ممکن ہی نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔(۱۶) یعنی قرآن مجید کو یاد کرنا اور اس کو اپنے حافظہ میں محفوظ کر لینا آسان ہے، اس لحاظ سے دنیا کی کوئی کتاب یا صحیفہ قرآن مجید کی برابری نہیں کر سکتا۔ قرآن کے حفظ کرنے میں کسی شخص کی خصوصیت نہیں، خواہ وہ عرب ہو یا عجم، بالغ ہو یا نابالغ ہر ایک بڑی آسانی سے اس کو یاد کر لیتا ہے۔

اس تمام صورت حال کو مدنظر رکھ کر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا میں قرآن مجید کے سوا کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جس کی اس قدر حفاظت اور خدمت ہوئی ہو۔

۶۔ قوت تاثیر

اعجاز قرآن کی ایک بڑی اور اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا دلوں اور طبیعتوں پر نہایت گہرا اثر پڑتا ہے، قرآن کے سوا کوئی دوسرا منظوم یا منثور کلام ایسا نہیں ہے جس کی تاثیر یا حلاوت و شرینی یا رعب و دبدبہ اور ہیبت قرآن کے مقابل ہو، یہ بات صرف قرآن میں ہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرایته خاشعاً متصدّعاً من خشية الله " (الحشر:۲۱) یعنی اگر ہم نے اس قرآن کو پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم دیکھ لیتے کہ وہ اللہ کے ڈر سے دبا جاتا ہے اور پھٹا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی ہیبت اور رعب کا حال ان واقعات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ انہوں نے کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۃ طور تلاوت کرتے ہوئے سنا، جب آپؐ اس آیت پر پہنچے " ام خلقوا من غير شئی ام الخالقون۔الطور۔۳۵ اور قوله تعالى " المصيطرون " تک پڑھا تو ان کا دل ہیبت سے لرز گیا اور وہ سمجھے کہ اب حرکت قلب بند ہو جائے گی اور کہتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ آیت سنی " انّ عذاب ربك لواقع " (الطور:۷) تو انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ عذاب کی لپیٹ میں آگئے ہوں چنانچہ انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

اسی طرح جب عتبہ بن ربیعہ حضور ﷺ کے پاس آیا تو آپؐ نے سورہ حٰم السجدۃ پڑھنا شروع کی جب اس نے آیت : " فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود" (حٰم السجدۃ: ۱۳) سنی تو اس نے آپؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا خدا کے لیے بس کیجئے مجھے اس سے آگے سننے کی تاب نہیں، عتبہ چلا گیا، جب اس کے ساتھی اس کے پاس آئے تو کہنے لگا خدا اس نے ایسا کلام پڑھا کہ آج تک میرے کان میں نہیں پڑا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کلام کا کیا نام لوں۔(۱۷)

اسی طرح حضرت عمرؓ جو آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے گردن میں تلوار لٹکائے آئے تھے جب انہوں نے سورہ طٰہٰ کی چند آیات سنیں تو ایسا اثر ہوا کہ فوراً مشرف باسلام ہوگئے۔

غرض قرآن مجید دنیا کی ایسی واحد کتاب ہے جو براہ راست دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ اس کی تاثیر معجزانہ ہی تھی کہ عرب جیسی تند خو قوم نے اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں ہی بدل گئیں۔ برسوں کے بھٹکے ہوئے انسان خدا کی راہ پر چل نکلے۔ اسی تاثیر کی وجہ سے قول الٰہی " وجاء الحق و زهق الباطل، ان الباطل كان زهوقا" پورا ہوا۔ اسی تاثیر کی وجہ سے مخالفین بھی معترف ہوئے کہ یہ بشری استطاعت سے خارج ہے۔ اسی تاثیر کی وجہ سے ان کے حالات ایسے ہوگئے جیسے کسی نے واقعی سحر کر دیا ہو اور قرآن سن کر وہ ایسے مبہوت رہ جاتے گویا جادو کے اثر میں آگئے ہوں۔ حتیٰ کہ نبی ﷺ جب خود تلاوت فرماتے یا کسی دوسرے سے سنتے تو خود بھی اس قدر متاثر ہوتے کہ ان کی ظاہری کیفیت بدل جاتی جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی صریح دلیل ہے کیونکہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کا اپنے مصنف پر اس طرح کا کوئی اثر ہو، یعنی قرآن کا جو اثر آپؐ کی زبان سے سننے والے صحابہ قبول کرتے تھے اس سے کہیں زیادہ خود آپؐ کی ذات پر ہوتا تھا، آپؐ کا چہرہ مبارک خوف سے متغیر ہو جاتا، آنکھیں بہنے لگتیں، اور آپؐ پر گریہ طاری ہو جاتا۔ اور ایک صاحب بصیرت جو خوف خدا کی ذرا سی رمق بھی اپنے

دل میں رکھتا ہو اسی سے قرآن کی نسبت ایمان لا سکتا ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، رسول اللہ کی تصنیف نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس کلام میں ایسی تاثیر ہے کہ بعض آیات سن کر انسان پر وجد و سرور اور اہتزاز و انبساط کی عجیب و غریب کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جنت کی بشارتیں سن کر دل جھوم جاتا ہے، جہنم کی ہولناکیاں سن کر دل دہل جاتا ہے، قیامت کی علامتیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے پڑھنے سے وہ اطمینان قلب اور سکینت، اور روحانی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ جو دنیا کی کسی اور کتاب کو پڑھ کر محسوس نہیں ہوتی۔

۷۔ لذت تکرار

قرآن پاک کا یہ بڑا اعجاز ہے کہ اس کے پڑھنے والا قرات سے تھکتا نہیں اور سننے والے پر اس کا سننا گراں نہیں گذرتا اگرچہ کتنا ہی بار بار سننا پڑے، جب کہ دنیا کا کوئی دوسرا کلام خواہ وہ کتنا ہی فصیح و بلیغ کیوں نہ ہو انسانی طبیعت اس کو بار بار سننے یا کثرت مزاولت کو پسند نہیں کرتی مگر قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے جس کے اعادہ و تکرار سے ایک نئی راحت و مسرت کا احساس ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک ہی طرح کے مضامین کا بتکرار آنا بھی طبیعت پر گراں نہیں گذرتا بلکہ ہر دفعہ ایک نئے فہم کا احساس ہوتا ہے یہاں تک کہ جو بات اس مضمون میں کہی جارہی ہو راسخ ہو جاتی ہے اور یہ کہ قرآن مجید اپنی تمام تفصیلات میں ایسی منضبط قوت کا حامل ہے جو تمام نقائص سے پاک ہے کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی، جس میں قرآن مجید اپنی فصاحت کے یکساں معیار کو قائم نہ رکھ سکا ہو، ایک ہی مضمون کو بار بار دہرانے میں طرز بیان کا یکساں ہونا ممکن ہوتا ہے مگر قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس کے مضامین تکرار کے باوجود بھی اپنے معیاری طرز بیان سے کبھی نہیں ہٹے۔

مصطفیٰ صادق الرافعی کہتے ہیں کہ " قرآن کریم اس خصوصیت میں منفرد ہے کہ اس کی تکرار و اعادے سے اکتاہٹ اور بیزاری کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔ حضور اکرم ﷺ سے بھی اسی طرح کا ارشاد منقول ہے کہ اگر الفاظ قرآن کو صحیح طریقے سے ادا کیا جائے تو اس کی تروتازگی اور جدت برقرار رہتی ہے، قاری کے ولولے اور ذوق و شوق میں کمی واقع نہیں ہوتی اور اس کی بڑی وجہ قرآن کریم کا حسن نظم اور اس کا صوتی حسن و جمال ہے"۔(۱۸)

۸۔ قرآن کا فنی اعجاز

سیّد رشید رضا نے قرآن کے فنی حسن و جمال کے عنصر میں جو دینی و علمی غایات و مقاصد پائے جاتے ہیں ان پر تفصیلی بحث کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان دینی و علمی امور سے انکار ممکن نہیں مگر قرآن نے عربوں کو جس بات پر دعوت مقابلہ دی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اس کے اسلوب و انداز کی نظیر پیش کریں اور یہ کہ منظر کشی میں قرآن کو جو اعلیٰ مقام حاصل ہے اس کا مقابلہ کریں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب برحق کی سحر بیانی ہی اس کا اعجاز ہے جس نے آغاز وحی میں ہی لوگوں کے دلوں کو مسحور و مسخر کر دیا تھا، حالانکہ اس وقت نہ تشریعی آیات نازل ہوئی تھیں اور نہ ہی غیبی امور پر مشتمل آیات اتری تھیں۔(۱۹)

عصر حاضر میں قرآن کے فنی حسن و جمال کواس کے وجوہ اعجاز میں سے ایک قرار دیا گیا ہے، جب ہم علوم القرآن سے متعلق قدیم کتب مثلاً " الاتقان" پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ السیوطی نے " الاتقان" میں متقدمین کی کتب سے اخذ کر کے قرآن کے بلاغی مقاصد مباحث کو یکجا کر دیا ہے، چنانچہ سیوطی قرآن کے تشبیہ و استعارہ ، کنایہ و تعریض ، حقیقت و مجاز، حصر و تخصیص، ایجاز و اطناب، خبر و انشاء، جدل و مناظرہ، اور امثال و اقسام سب مباحث پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔ مثلاً تشبیہ و استعارہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی دو اقسام مفرد اور مرکب بیان کرتے ہیں، اور قولہ تعالیٰ "کمثل الحمار یحمل اسفارا" (الجمعۃ :۵) یعنی گدھے کی طرح جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں کی تشریح کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ تشبیہ گدھے کے حالات سے مرکب ہے اور وہ یہ ہے کہ کتابوں جیسی مفید چیز اس پر لاد دی گئی ہے، وہ ان کا بوجھ بھی اٹھاتا ہے مگر اسے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔[۲۰]

استعارے کا ذکر کرتے ہوئے اس کی پانچ اقسام مع امثلہ پیش کرتے ہیں مثلاً " والصبح اذا تنفس " (التکویر:۱۸) یعنی صبح کی قسم جب وہ سانس لے ۔ میں سیوطی استعارہ محسوس بطریقہ محسوس قرار دیتے ہیں کہ ظہور صبح کے وقت مشرق سے رفتہ رفتہ روشنی نمودار ہونے کے لیے آہستہ آہستہ سانس لینے کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے اور روشنی اور سانس دونوں چیزیں محسوسات کے قبیل ہیں۔[۲۱]

اسی طرح قرآن مجید میں جہاں تصریح کی گنجائش نہ تھی وہاں کنائے سے کام لیا گیا مثلاً شادی کی غرض و غایت نسل انسانی کا تحفظ ہے، قرآن نے اس کو " الحرث" سے تعبیر کیا " نساؤکم حرث لکم " (البقرہ: ۲۲۳)۔

" قرآن کریم رمز و ایماء کا بڑی حد تک دلدادہ ہے وہ خداوندی ذت و صفات سے متعلق دینی حقائق کو اس طرز و انداز سے بیان کرتا ہے کہ ان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور وہ ذہنی افکار جو مادی صورت سے مجرد ہوتے ہیں محسوس صورت میں سامنے آتے ہیں ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے جود و کرم کی وسعت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں " بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء " (المائدۃ: ۶۴)۔ یعنی اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔[۲۲]

خلاصہ یہ کہ یہی حسن بیان قرآن کا وہ اعجاز ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں پایا جاتا، اس کی سحر بیانی کا راز اس کی نظم و ترتیب میں مضمر ہے اور یہ نظم اپنی داخلی موسیقی اپنے ہم وزن فواصل اور قوافی سے بے نیاز کر دینے والی قافیہ بندی کی بناء پر شعر و نثر کے اوصاف و خصائص کو سموئے ہوئے ہے۔

۹۔ قرآن کا صوتی اعجاز

سید قطب فرماتے ہیں " قرآن کریم اوزان و قوافی کی حدود و قیود سے پاک ہونے کی بناء پر تعبیر و بیان کی آزادی کی صفات سے بہرہ ور ہے مگر اس کے دوش بدوش اس میں شعر کی باطنی موسیقی اور ایسے ہم وزن فواصل پائے جاتے ہیں جو شعری اوزان و قوافی سے بے نیاز کر دیتے ہیں اس طرح قرآن حکیم نثر و شعر دونوں کے اوصاف و خصائص کا جامع ہے۔(۲۳)

یہ نظم و ترتیب اور داخلی موسیقی قرآن مجید کی ہر ہر آیت اور ہر ہر لفظ میں نمایاں ہے۔ ہر لفظ اپنا ایک جداگانہ حسن صورت اور ایک منفرد رنگ ڈھنگ رکھتا ہے جو دنیا کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتا مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے" وجوه يومئذ ناضرة ۔ الى ربها ناظرة ۔ و وجوه يومئذ باسرة تظن ان يفعل بها فاقرة " (۷۵ :القیامۃ :۲۲۔۲۵) یعنی کچھ چہرے اس دن بارونق ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے اور کچھ چہرے منہ بسورتے ہوئے رنجیدہ ہوں گے اور یہ خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ یعنی صلحاء اور اشقیاء کی منظر کشی اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے جو اس آیت میں کی گئی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا: " فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز" (آل عمران :۱۷۵) یعنی جس کو آگ سے دور اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اس آیت میں لفظ " زحزح" کی آواز ہی سے دوری کا مفہوم واضح ہو رہا ہے، عربی لغت میں دوسرا کوئی لفظ اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔

غرض قرآن اپنے صوتی نظم و ترتیب کے اعتبار سے منفرد و یکتا حیثیت کا حامل ہے خواہ اس کو مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے یا اس کی انفرادی سورتوں کا تجزیہ کیا جائے۔ اس طرح ہم قرآن سے بآسانی ایسے اجزاء منتخب کر سکتے ہیں جو دعا سے تعلق رکھتے ہیں اور صوتی حسن سے بھرپور ہیں۔ غزالی فرماتے ہیں :

" دعا بذات خود بھی ذات باری تعالی کی طرف بلند ہونے والا ایک نغمہ ہے ۔ دعا عاجز داعی کے دل پر اس صورت میں ایک خوش آئند اثر ڈالتی ہے جب اس کے الفاظ بڑے ہی جاذب توجہ اور سحر انگیز ہوں، آنحضورﷺ کی بعض دعائیں مقفی و مسجع اور باہم یک رنگ و ہم آہنگ ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں انبیاء و صلحاء کی جو دعائیں منقول ہیں وہ بھی حسن صورت اور سحر بیانی کی آئینہ دار ہیں۔ قرآن کے دعائیہ کلمات کے تلفظ سے نغمے کا احساس ہوتا ہے اور جب ہم نگاہ تصور سے دیکھتے ہیں کہ ایک نبی خلوت میں بڑے عجز و الحاح کے ساتھ خدا کو پکار رہا ہے اور اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ آسمان کی طرف بلند ہو رہے ہیں تو ہمیں آہنگ سے لبریز فضا کا احساس ہونے لگتا ہے"[۲۴] مثلاً

" ربنا ماخلقت هذا باطلا، سبحنك فقنا عذاب النار ، ربنا انك من تدخل النار فقد اخزيته ، وما للظلمين من انصار، ربنا اننا سمعنا منا ديا ينادى للايمان ان آمنوا بربكم فامنا ، ربنا فاغفرلنا ذنوبنا و كفرعنا سيا تنا و توفنا مع الابرار"
(آل عمران :۱۹۱۔۱۹۴)

ان آیات کریمہ میں " ربنا" کے لفظ کی تکرار دل کو نرم کرتی ہے اور اس میں ایمان کی حلاوت پیدا کرتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآنی نظم ہر قسم کے تصنع اور تکلف سے پاک ہے اپنی غرض و غایت کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا خواہ اس کا طرز و انداز کیسا ہی ہو، وہ نرم ہو یا سخت ہر حال میں اس طرح رواں دواں ہوتا ہے جیسے بہتا ہوا پانی جس سے پودوں کو سیراب کیا جائے اور سختی کے وقت اس میں وہ شدت و حدت ہوتی ہے جیسے تیز و تند آندھی جو لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہو اور یہی ندرت اسلوب اس کا اعجاز ہے۔

۱۰۔ اعجاز القرآن کی تعبیر و توضیح ممکن نہیں

قرآن کریم کی کوئی بات معجزہ سے کم نہیں ہے اس کے اغراض و مقاصد اور اسرار و حکم کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے اس لیے اعجاز القرآن کا ادراک تو کیا جا

سکتا ہے مگر اس کی تعبیر و تفسیر کرنا ممکن نہیں۔ اس بارے میں یعقوب سکا کی اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "کہ اعجاز القرآن کی تعبیر و توضیح ممکن نہیں، قرآن کے اعجاز کا علم اوراک میں تو آتا ہے مگر زبان سے اس کا بیان ویسے ہی ناممکن ہے جیسے کسی کلمے کے وزن کی درستی کا اوراک کو کیا جا سکتا ہے، مگر اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا یا جیسے نمکینی اور خوش آوازی کا ادراک تو ممکن ہے مگر زبان سے ان کی حالت کا بیان ناممکن ہے۔ اعجاز القرآن کا اوراک علم معانی و بیان میں مہارت حاصل کر کے ہی کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ذوق سلیم کی سعادت حاصل ہو"(۲۵)۔

ابو حیان توحیدی کا بیان ہے کہ " پندار بن حسین فارسی سے قرآن کے اعجاز کی منزلت اور اس کے مرتبے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا، یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جیسے تم سوال کرو کہ انسان کا مقام کیا ہے؟ یا یہ کہ کسی انسان میں انسانیت کا جوہر کہاں ہے؟ اسی طرح قرآن کی کوئی بات معجزے سے کم نہیں۔ کتاب الہی کے اغراض و مقاصد اور اسرار و حکم کا احاطہ کرنا استطاعت بشری سے خارج ہے، اس لیے اعجاز القرآن کا اوراک تو کیا جا سکتا ہے مگر اس کی تعبیر و تفسیر ممکن نہیں"(۲۶)۔

قرآن جمیع وجوہ اعجاز کے پیش نظر معجزہ ہے اور محققین کے نزدیک مذکورہ بالا تمام وجوہ کا ہونا ہی اس کا اعجاز ہے نہ کہ ان میں سے الگ الگ ایک ایک وجہ، کیونکہ قرآن میں یہ سب باتیں موجود ہیں اور کوئی ایک وجہ ہی موجب اعجاز نہیں ہو سکتی بلکہ مذکورہ بالا وجوہ اعجاز کے علاوہ اور بھی بے شمار خوبیوں کا جامع ہے جن کو قرآن مجید کے اسباب اعجاز میں شمار کیا گیا ہے مگر طوالت کے خوف سے ان کو یہاں قلم انداز کر دیا گیا ہے۔ مگر اس ضمن میں یہ تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ تاریخ اسلام میں چند ایسے لوگوں کے نام بھی ملتے ہیں جنہوں نے اپنے ناقص ایمان کی وجہ سے قرآن کے اعجاز سے ہی انکار کر دیا مثلاً بیان بن سمعان، عیسی بن صبیح اور النظام وغیرہ، مگر مسلمانوں نے ان کی پرزور تردید کر کے ان کو عاجز کر دیا۔ اسی طرح کچھ معارضین قرآن بھی ہوئے جنہوں نے پچھلی ۱۴ صدیوں کے دوران یا تو خود قرآن کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی یا دوسروں نے ان کی تصنیف کو قرآن

کے مقابلہ میں پیش کیا، ایسے لوگ دو قسم کے ہیں:

اوّل۔ وہ جنہوں نے پیغمبری کا ڈھونگ رچایا اور جھوٹا الہامی کلام بھی پیش کیا مثلاً :۔۔۔

۱۔ مسیلمۃ بن حبیب الکذاب۔ جو یمامہ کا رہنے والا تھا اور جس نے آنحضرت ﷺ کے آخری ایام میں نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کے اس ڈھونگ کا مقصد بادشاہت کا حصول تھا اور آنحضرت ﷺ کو صلح کی یہ شرط پیش کی کہ آپؐ اس کو اپنا شریک یا جانشین بنا لیں۔ آنحضرت کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے ایک بہت بڑی فوج بھیج کر اس کا خاتمہ کرایا۔

۲۔ اسود عنسی۔ یہ یمن کا رہنے والا تھا اور اپنی فصاحت و بلاغت اور خطابت و کہانت اور شاعری میں مشہور تھا، اس نے بھی آنحضرت ﷺ کے آخری عہد میں دعویٰ نبوت کیا اور یہ آنحضرتؐ کی وفات سے پہلے مارا گیا۔

۳۔ طلحہ بن خویلد اسدی، اس نے پہلے اسلام قبول کیا پھر پیغمبری کا دعوی کر بیٹھا اس کا دعوی تھا کہ ذوالنون نامی اس پر وحی لاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس نے اپنے قبیلہ میں بڑا مرتبہ حاصل کر لیا مگر خلیفہ اوّل نے اس کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی اور یہ شکست کھا کر شام کی طرف بھاگ گیا اور بعد میں مسلمان ہوگیا اور جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کی طرف سے بہت بہادری سے لڑا۔

۴۔ سجاح بنت الحارث جس کا تعلق قبیلہ تمیم سے تھا اس نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پیغمبری کا دعویٰ کردیا مگر مسیلمہ کذاب کے قتل کے بعد اپنا دعویٰ ترک کر کے دوبارہ مسلمان ہوگئی۔

۵۔ مشہور شاعر ابوالطیّب احمد بن الحسین المتنبی۔ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا مگر بعد میں مسلمان ہوگیا۔

دوم۔ اس کے علاوہ دوسرا گروہ ایسا بھی تھا جنہوں نے نبوت کا دعویٰ تو نہ کیا، البتہ معارضہ قرآن کے سلسلے میں اپنی بے تکی کوششیں کیں اور محض فن کی حیثیت سے کچھ لکھا مثلاً نضر بن الحارث، ابن المقفع، اور ابن الراوندی، مگر ان کی یہ کوششیں یقیناً آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف تھیں س لیے انہیں کوئی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید ایسا کلام ہے کہ نہ اس سے پہلے اس پائے کا کوئی کلام موجود تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا اس میں جن موضوعات پر کلام کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ صغری، کبری جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا براہ راست علم رکھتا ہے، اس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ تمام حقائق اس پر عیاں ہیں۔ نوع انسانی کے آغاز سے اس کے خاتمہ تک ہی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد دوسری زندگی تک بھی، وہ اس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے، اور قیاس و گمان کی بناء پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ جو تصور کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبہ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے، فصاحت و بلاغت تو اس میں بدرجہا اتم موجود ہے ہی فلسفہ و سائنس اور علوم عمرانیات کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس کلام میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظام فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں بلکہ ۱۴ سو سال سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔

پس یہ معجزہ ہے اپنے اسلوب و انداز کے حوالے سے، واقعات کی خوبصورت منظر کشی کے حوالے سے اور اپنی علمیت کے حوالے سے اور یہ قرآن عزیز! جب بولتا ہے تو حق بولتا ہے، تعلیم دیتا ہے تو صرف رشد و ہدایت کی، اور جب صورت گری کرنے پر آتا ہے تو حسین ترین شعبہ زندگی کا منظر پیش کرتا ہے اور جب اسے ترتیل سے پڑھا جاتا ہے تو کرہ ارضی کے سب نغمے بے کیف نظر آتے ہیں۔۔۔۔ تو پھر کوئی انسان کیونکر اس معجزے کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اس کتاب کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہو؟۔

یہ فرمان الہٰی کس قدر برحق ہے کہ :

"وانه لکتٰب عزیز لا یاتیه الباطل ، من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید"

المراجع

۱۔ القاموس المحیط ، بذیل مادۃ " عجز "

۲۔ دیباچہ تفہیم القرآن : مولانا سیّد ابوالاعلیٰ المودودی

۳۔ سیرت النبیؐ : سیّد سلیمان ندوی ، مطبوعہ اعظم گڑھ ، ج ۳ ، ص ۵۱۴

۴۔ اعجاز القرآن از تالیفات عثمانی : علامہ شبیر احمد عثمانی، ص ۴۸

۵۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفی : قاضی عیاض ، ص ۲۱۷

شرح الشفاء : ملا علی قاری ، ص ۵۴۲

الاتقان فی علوم القرآن : السیوطی ، مطبوعہ قاہرہ ، ج ۲ ۔ ص ۱۱۷

۶۔ الاتقان فی علوم القرآن : السیوطی ، مطبوعہ قاہرہ ۔ ج ۲ ، ص ۱۱۹

البرہان فی علوم القرآن : امام بدر الدین محمد بن عبداللہ الزرکشی، مطبوعہ قاہرہ ، ج ۲ ، ص ۱۰۱

۷۔ فی ظلال القرآن : سیّد قطب شہید، البدر پبلیکشرز ، لاہور، ج ۱ ص ۱۱۵

۸۔ اعجاز القرآن از تالیفات عثمانی : علامہ شبیر احمد عثمانی، مطبوعہ لاہور، ص ۹۲

۹۔ تاریخ آداب العرب : مصطفیٰ صادق الرافعی، مطبوعہ قاہرہ ، ج ۲ ، ص ۲۶۰

۱۰۔ الفیصل فی الملل والنحل : ابن حزم ظاہری ، ج ۳ ، باب اعجاز القرآن

۱۱۔ اعجاز القرآن : مصطفیٰ صادق الرافعی، ص ۲۱۳

۱۲۔ اعجاز القرآن : محمد بن الطیب الباقلانی، مطبوعہ قاہرہ ، ص ۱۶۸

۱۳۔ دلائل الاعجاز : عبدالقاہر الجرجانی، مطبوعہ قاہرہ ۔ ص ۷۹۔۸۰

تلخیص البیان فی مجازات القرآن : شریف رضی ، ص ۲۲۰

۱۴۔ اعجاز القرآن : محمد بن الطیب البلاقلانی، مطبوعہ قاہرہ، ص ۴۹

۱۵۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر : شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبوعہ لاہور، ص ۱۴

البرہان فی علوم القرآن : امام بدر الدین محمد بن عبداللہ الزرکشی، مطبوعہ۔ قاہرہ۔ج۲، ص ۹۶

۱۶۔ تفسیر : مولانا شبیر احمد عثمانی، مطبوعہ کراچی ، ص ۳۴۰
اعجاز القرآن: مولانا شبیر احمد عثمانی، ص ۸۶۔۸۷
۱۷۔ اعجاز القرآن : الباقلانی، ص ۳۹
۱۸۔ اعجاز القرآن: الرافعی ، ص ۲۳۸
۱۹۔ تفسیر المنار : السید محمد رشید رضا، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۴ھ ، ج ۱ ، ص۱۹۸تا۲۳۸
۲۰۔ الاتقان: السیوطی، ج ۲ ، ص ۷۰
مجازات القرآن : شریف رضی ص ۱۵۵
۲۱۔ الاتقان : السیوطی، ج ۲ ، ص ۴۷
مجازات القرآن: شریف رضی ، ص ۳۶۰
۲۲۔ الاتقان : السیوطی، ج ۲ ، ص ۷۹
۲۳۔ التصویر الفنی فی القرآن : السید قطب شہید، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۴۹ء، ص ۸۶
۲۴۔ احیاء علوم الدین : الغزالی، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۴۶ھ، ج ۱ ، ص ۳۰۱
۲۵۔ مفتاح العلوم السکاکی، مطبوعہ قاہرہ، ص ۲۲۱
۲۶۔ البرہان فی علوم القرآن : الزرکشی، مطبوعہ قاہرہ ، ج ۲ ، ص ۱۰۰